بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

اردو کے مسائل و معاملات

مسلمانوں کی ناسمجھی اور ناعاقبت اندیشی کے باعث اردو زبان پر جو وقت پڑا ہے، خدا وہ کسی دشمن پر نہ ڈالے۔ آج اس کی مثال وہی ہے کہ "از انسو راندہ و دراں سو درماندہ" جو لوگ دو قومی نظریہ کے بانی اور حامی تھے ان کو ملک کے غیر منقسم ہونے کی صورت میں یہاں جس طرح اسلام اور مسلمانوں کی خیر نظر نہیں آتی تھی اردو کی بھی نظر نہیں آتی تھی کیونکہ ان کے فکر میں اردو بھی اسلامی تھی اور اگر ملک تقسیم نہ ہوا تو اکثریت کی جارحانہ ذہنیت کے باعث ہر اس چیز کا وجود خطرہ میں پڑ جائیگا جس کا کوئی ادنیٰ تعلق بھی اسلام یا مسلمانوں کے ساتھ ہو! لیکن ابھی ایک ربع صدی بھی نہ ہونے پائی تھی کہ دنیا نے کج بینی و کج اندیشی کا نہایت المناک انجام بنگلہ دیش کی صورت میں دیکھ لیا۔ دو قومی نظریہ کے عناصر ترکیبی تین ہی چیزیں تھیں (۱) اسلام (۲) مسلمان اور (۳) اردو۔ اس بنا پر جب اس نظریہ کی نہایت عالیشان عمارت کھنڈر ہوئی تو لامحالہ اس کا اثر ان تینوں پر ہی ہوتا تھا۔ یہ سچ ہے کہ اہلِ بنگال کے لیے ان کی زبان ایک ایسی محبوب شے ہے جس کے سامنے مذہب کا تقدس بھی ماند پڑ گیا ہے لیکن اس کے باوجود اردو زبان کو بنگال میں برابر رسوخ رہا اور اہلِ بنگال نے اس کے ساتھ قدر و منزلت کا معاملہ کیا ہے۔ بنگال میں گاؤں گاؤں عربی اور دینیات کے مدرسے ہیں۔ عربی اور دینیات کے امتحانات۔ عالم اور فاضل وغیرہ ہوتے ہیں تو سینکڑوں کیا ہزاروں طلباء اور طالبات ان میں شریک ہوتے ہیں۔ اور جس طرح ان سب اداروں میں تعلیم کی زبان اردو ہے اسی طرح امتحان کی زبان بھی یہی ہے۔ علاوہ ازیں

(سکینڈری اور اس کے بعد گریجویشن کی سطح پر اردو بحیثیت ایک مضمون کے شامل ہے۔ اور دو سالہ قیام کلکتہ میں مغربی بنگال سے متعلق میرا مشاہدہ اور مشرقی بنگال کی نسبت مجھے معلوم ہے کہ بنگالی لڑکیوں یا لڑکوں نے اس ذریعہ سے اردو پڑھنے میں تعصب کا مظاہرہ نہیں کیا۔ غرضیکہ اردو بنگال میں راندۂ درگاہ نہیں تھی اور اسے قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اور بنگال کے مسلمان عموماً ہندوستان کے علماء اور یہاں کے مذہبی اور دینی اداروں سے وابستہ تھے اور ان سب کے درمیان بول چال کی زبان اردو ہی تھی۔ لیکن بڑا ہو خداوندانِ تقسیم کی جارحانہ ذہنیت کا جب انہوں نے پاکستان میں اہلِ بنگال پر بھی بنگالی کو نظر انداز کرکے اردو کی مطلق العنان حکومت وہاں بھی قائم کرنی شروع کی۔ اور مولانا سید سلیمان ندویؒ جیسے عظیم المرتبت عالم اور مورخ کی زبان سے بنگالی زبان کا رسم الخط بدلنے کی تجویزیں فضا میں گونجنے لگیں۔ تو اب بنگالیوں کے کان کھڑے ہوئے۔ اور ان میں اردو کے خلاف معاندانہ جذبات پیدا ہونے لگے۔ چنانچہ سید صاحب پر شدید حملہ ہوا۔ حکومت پاکستان کی لسانی پالیسی کے خلاف طلبا نے شدید مظاہرے کیے۔ ان میں کئی طلبا مارے بھی گئے اور اب بنگال میں اردو سے نفرت اور اس سے عناد کا ایک مستقل محاذ قائم ہو گیا۔ اگرچہ بعد میں حکومت پاکستان نے اردو کے ساتھ بنگالی کو بھی قومی زبان تسلیم کر لیا ہے لیکن اردو سے جو نفرت کی فضا قائم ہو گئی تھی۔ وہ بدستور قائم رہی اور صرف اسی قدر نہیں بلکہ اردو کے علمبرداروں نے بنگال کی سماجی اور معاشی زندگی میں جس استبداد اور چیرہ دستی کا مظاہرہ کیا اس کے باعث پنجابیوں اور مہاجرین کی طرف سے بیزاری اور دل گرفتگی کے ساتھ اردو کی مخالفت کا جذبہ بھی ترقی کرتا رہا۔ قاعدہ ہے کہ دل میں کوئی ایک جذبہ ابھرتا اور شدید ہوتا ہے۔ تو انسان اس کی تسکین کے لیے کتنے ہی جذبات اور پیدا کر لیتا ہے۔ اس بنا پر اردو اور بنگالی کا معاملہ ایک خاص لسانی معاملہ تھا لیکن جب اردو کی مخالفت کا اور اس کے بالمقابل بنگالی زبان کے ساتھ عشق کا جذبہ شدید اور قومی تر ہوا تو طبع حیلہ جو نے سیاست اور معاشیات کو بھی اس ایک لسانی مسئلہ کے ساتھ ہم آہنگ اور ہم رشتہ

کر لیا. اور ان سب نے مل جل کر وہ قیامت برپا کی جس کے نتیجہ میں بنگلہ دیش ایک آزاد و خود مختار ملک کی حیثیت سے ظہور پذیر ہوا. دنیا میں جتنی عظیم الشان اور ہولناک ترین جنگیں ہوئیں. ان کی تاریخ کا مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ان کا آغاز کسی بہت ہی معمولی واقعہ سے ہوا ہے. اس طرح بنگلہ دیش کے عنوان سے جو کچھ ہوا. وہ اگرچہ ایک ہنگامہ محشر سے کم نہیں تھا. لیکن اس کا اصل سبب اور راز اردو والوں کی چیرہ دستی اور جارحیت پسندی ہی تھی. غور کرنا چاہیئے. کہ ہندوستان میں ہندی کے پرستار اردو زبان کے رسم الخط کو دیوناگری میں تبدیل کرنے کی جو بات کرتے ہیں. اس میں اور بنگالیوں کو عربی رسم الخط کے اختیار کر لینے کا مشورہ دینے میں باہم کیا فرق ہے اگر وہ جارحانہ ذہنیت کا مظاہرہ ہے تو یہ کیوں نہیں؟ انسان کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہی نا انصافی جس کو وہ دوسرے کے ساتھ روا رکھتا اور اس کو خیر خواہی کا نام دیتا ہے جب وہی نا انصافی" خیر اندیشی" کے نام پر اس کے ساتھ کوئی اور کرنے لگتا ہے تو اس پر احتجاج کا ہنگامہ گرم کر دیتا ہے. اور دنیا بھر میں اپنی مظلومیت کا ڈھنڈورا پیٹتا ہے.

بنگلہ دیش کے قیام سے اسلام کو نقصان پہنچا یا نہیں مسلمانوں کی جمعیت کا شیرازہ پراگندہ ہوا یا نہیں. یہاں ان سوالات سے کوئی سروکار نہیں! البتہ یہ یقینی ہے کہ اس ملک میں اردو کا جو کچھ بھرم تھا. اور کچھ اور نہیں. تو کم از کم علمی اور مذہبی طور پر اس زبان کا جو وقار بنگلہ دیش کے لوگوں کے دل میں تھا. اب وہ سب ختم ہوا اور گویا اردو وہاں سے خارج البلد کر دی گئی تقسیم جو بغض و عناد پر مبنی ہو ایک متعدی بیماری ہے کسی ایک شخص کو ہو جانے تو اسی تک محدود نہیں رہتی بلکہ اچھل کر دوسروں تک پہنچتی اور لگتی ہے چنانچہ بنگلہ دیش کے جو اعلی اور محرکات نے پاکستان کے بچے کچھے صوبوں میں بھی سر اٹھانا شروع کیا. اور اردو سے بیزاری اور اس کی مخالفت کی ہوائیں وہاں بھی چلنے لگیں. ابھی ان ہواؤں کی رفتار نرم اور آواز دھیمی دھیمی ہے لیکن اگر ارباب حکومت و اقتدار نے اس موقع پر بھی اسی عاقبت نا اندیشی اور خود..

پرستی کا مظاہرہ کیا جس کا انھوں نے بنگلا دیش کے معاملہ میں کیا تھا۔ تو کون کہہ سکتا ہے کہ یہ شعلہ جوالہ آتش فشاں نہ بن جائے گا۔ اور بنگلہ دیش میں تو اردو کا مقابلہ صرف ایک حریف سے تھا یہاں اس کو سندھی، بلوچی، پشتو اور پنجابی بیک وقت چار پہلوانوں سے سابقہ ہوگا۔ پھر خدا ہی جانتا ہے۔ یہ دلی اور لکھنؤ کے شبستان تہذیب و ادب کی شمع فروزاں ان طوفانی ہواؤں کے مقابلہ میں کب تک اور کس طرح قائم رہ سکے گی۔ پاکستان کے موجودہ صوبوں میں اردو کی مخالفت اور اس سے بیزاری کا سب سے زیادہ زور سندھ میں ہے۔ یہاں آئے دن دونوں طرف سے .. مظاہرے ہوتے رہتے ہیں۔ اور یہ مظاہرے کبھی کبھی تشدد کی صورت بھی اختیار کر لیتے ہیں۔ اس اردو بیزاری کی تحریک میں سندھ کی پیشقدمی کی دو وجہیں ہیں (۱) ایک یہ کہ سندھ میں اردو کو کبھی وہ مقام حاصل نہیں ہوا۔ جو اس کو پنجاب یا کم از کم سرحد میں ہوا۔ اس عدم تعلق کی بڑی وجہ تعلیم کے میدان میں سندھ کی پسماندگی اردو کے علاقوں سے ان کی دور افتادگی اور خود اہل سندھ کی طبعاً کم آمیزی بھی ہے۔ (۲) اس کے علاوہ ایک اہم اور بڑی وجہ یہ ہے کہ .. مہاجرین کی آباد کاری کا سب سے زیادہ بوجھ سندھ کو ہی برداشت کرنا پڑتا ہے۔ سندھ کا علاقہ تعلیم، صنعت و حرفت، دولت و ثروت میں ایک پسماندہ علاقہ تھا۔ اب مہاجرین وہاں پہونچے تو کراچی ہر اعتبار سے دنیا کا ایک عظیم ترقی یافتہ شہر بن گیا جس کی دولت و ثروت، صنعت و حرفت اور تعلیمی و تہذیبی ترقی میں مہاجرین کا حصہ سب سے زیادہ تھا۔ یہ لوگ جو لٹے لٹائے کر خانہ ویرانی کے عالم میں کراچی یا سندھ کے دوسرے علاقوں میں آکر پناہ گزیں ہوئے تھے چند برسوں میں امیر کبیر اور صاحب دولت و ثروت بن گئے اور خود سندھی ان کے تابع ہو کر رہ گئے (؟) سب ان حالات نے مہاجرین میں اور سندھ میں ایک مستقل کشمکش پیدا کر دی۔ اس کشمکش کی اصل بنیاد تو اقتصادی اور معاشی طبقاتیت تھی لیکن نفسیات اقوام کے ماتحت اس اقتصادی مزاحمت کی لپیٹ میں تہذیب اور زبان بھی آگئے۔ زبان کا معاملہ اگر ضمنی تھا لیکن سندھیوں میں اجتماعیت پیدا کرنے کا سب سے زیادہ مؤثر ذریعہ یہی ہو سکتا تھا۔ اس بنا پر اس کو نئی سب

سے زیادہ اچھا لاگیا۔ اور اب وہاں اردو کے خلاف ایک مستقل محاذ قائم ہوگیا ہے۔ [1]

پنجاب پاکستان کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ صوبہ ہے اور اس کو اردو زبان و ادب سے بہت گہرا تعلق رہا ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ گزشتہ پچاس برس میں تو اس صوبے نے بحیثیت مجموعی اردو زبان و ادب کی وہ اہم خدمات انجام دی ہیں جو دلی اور لکھنؤ والوں سے بھی نہیں بن پڑیں اور آج بھی جیسا کہ پروفیسر عبادت بریلوی نے بتایا کہ پنجاب یونیورسٹی کے اردو ایم۔ اے کے امتحان میں طلبا اور طالبات کی تعداد پانچ چھ سو کے لگ بھگ رہتی پھر وہاں تصنیف و تالیف اور مجلات و رسائل کی عام زبان اردو ہی ہے۔ اس کی ترقی اور اشاعت کے لیے بڑے بڑے ادارے اور اس کی تعلیم اور اس میں ریسرچ کے اعلیٰ انتظامات ہیں۔ غالب صدی تقریبات کے سلسلہ میں کمیت اور کیفیت کے اعتبار سے جو کارہائے نمایاں پنجاب یونیورسٹی لاہور نے خصوصاً اور دوسرے اداروں نے عموماً انجام دیئے ہیں وہ نہ علی گڑھ نے انجام دیئے اور نہ دہلی نے۔ باتیں ان لوگوں نے زیادہ کیں۔ دعوے بڑھ بڑھ کر ان حضرات کی طرف سے ہوئے لیکن کام سب سے زیادہ خوبصورت ٹھوس اور وسیع پنجاب کے لوگوں نے کر دکھایا۔ حالانکہ غالب سے قرب و جوار کی وراثت ان کو پہنچتی ہے، نہ کہ ان کو جنکو کہنے والے طعنہ دیا تھا۔ دلی نہیں دیکھی تو زباں داں یہ کہاں ہیں؟

شاباش زندہ دلانِ پنجاب! شاباش! این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

بے شبہ پنجاب میں اردو کا یہ اہتمام اور اس کے ساتھ یہ غیر معمولی دلچسپی بڑی مسرت انگیز

---

[1] انھیں خطرات کے پیش نظر ۱۹۷۲ء میں جب کراچی میں ایک عزیز دوست نے جو وہاں کی حکومت میں افسر اعلیٰ ہیں میرے ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ نواب زادہ لیاقت علی خاں مرحوم کی پالیسی ہی یہ تھی کہ مہاجرین کو زیادہ سے زیادہ سندھ اور خصوصاً کراچی میں آباد کیا جائے۔ تو میں نے فوراً کہا۔ نواب زادہ نے یہ کام اچھا نہیں کیا۔ آئندہ اس کے نتائج بہت خطرناک ہو سکتے ہیں۔

اور حوصلہ افزا ہے۔ لیکن نتیجہ اخذ کرنے میں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیئے حقیقت یہ ہے کہ اردو زبان کی پنجاب میں جو کچھ قدر و منزلت ہے وہ ایک اعلیٰ درجے کی ادبی، ثقافتی اور تہذیبی زبان کی حیثیت سے ہے۔ وہاں کے لوگوں کو اس کے ساتھ دلچسپی ایسی ہے جیسے انگلستان کے لوگوں کو فرانسیسی زبان کے ساتھ ہے۔ ورنہ بحیثیت بولی یا بات چیت کی زبان کے اردو کی وہاں بھی کوئی حیثیت اور اس کا کوئی مقام نہیں ہے۔ یہ صورت حال تقسیم سے پہلے بھی تھی میں نے خود ڈاکٹر اقبال کو دیکھا ہے۔ جب کبھی کسی اردو داں پنجابی سے گفتگو کرتے تھے۔ پنجابی میں کرتے تھے۔ لیکن قیام پاکستان کے بعد اس صورت حال میں مزید شدت پیدا ہو گئی ہے۔ آزادی نے علاقائی رجحانات کو جو مہمیز کیا ہے اس سے پنجاب کیوں متاثر نہ ہوتا! چنانچہ اب وہاں بھی اُردو کو ہٹا کر پنجابی کو ذریعۂ تعلیم بنانے کی تحریک شروع ہو چکی ہے اور اردو کے بلند پایہ ادیب، شاعر اور مصنف پنجابی حضرات اس تحریک کے حامی اور مددگار ہیں۔ چنانچہ پچھلے دنوں اس سلسلہ میں لاہور میں جو جلوس نکلا تھا اس میں ہمارے فاضل دوست پروفیسر علاء الدین صدیقی۔ وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور۔ حفیظ جالندھری اور غالباً فیض احمد فیض وغیرہم یہ سب شریک تھے۔ اردو والوں کو ان حضرات سے شکایت کا کوئی حق نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ان کی اور ان کے بچوں کی مادری زبان کا معاملہ ہے۔ اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی مادری زبان میں ذریعہ تعلیم بننے کی صلاحیت موجود ہے تو وہ اسے کیوں اختیار نہ کریں آج بھی وہ لاہور جیسے بین الاقوامی۔ شہر میں جیسا کہ وہاں نہایت معتبر دوستوں نے بتایا کہ ایک دو گھروں کو مستثنیٰ کر کے کوئی ایک پنجابی گھر بھی ایسا نہیں ہے۔ جہاں اردو بولی جاتی ہو۔ اردو کے بلند پایہ ادیب اور نامور شاعر اور مصنف ہیں لیکن جب کسی پنجابی سے یا گھر کے کسی فرد سے گفتگو کریں گے بیساختہ پنجابی زبان میں کریں گے۔ اگر آپ کو پنجابی زبان کی کچھ شُدبُد نہیں ہے تو لاہور میں تانگہ والوں اور معمولی.. دکانداروں کی بات کا سمجھنا آپ کے لیے دشوار ہے یہ سچ ہے کہ برے وقت میں کون کسی کا ساتھی ہوتا ہے۔ جب اردو غریب خود اپنے وطن میں بے وطنی اور خود اپنی جنم بھومی اجنبی ہو گئی

تو پھر پردیس میں اس پر جو بیتا بھی پڑے اس کا شکوہ کس سے کیجئے۔

یہاں تک تو اردو سے متعلق پاکستان کے عوام کے احساسات و رجحانات کا تذکرہ تھا۔ حکومت کی سطح پر اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ اس سوال کا جواب تو یہ ہے کہ اردو کا رشتہ اسلام کے ساتھ جوڑ دیا گیا تھا۔ اس بنا پر دیکھ لیجئے۔ اسلام پر وہاں کیا گزری؟ بس اسی پر اردو کو قیاس کر لینا چاہیئے۔ زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر اس سوال کا تفصیلی جواب مطلوب ہو تو اس سلسلہ میں بابائے اردو مولوی عبدالحق اور ڈاکٹر سید عبداللہ (لاہور) نے جو کچھ اپنے خطوط میں یا مضامین میں لکھا ہے اس کو پڑھ جائیے، اس کی ایک ایک سطر حسرت و یاس اور ناکامی و نامرادی کا مُرقع نظر آئے گی۔ مولوی عبدالحق صاحب تقسیم کے بعد اپنی انجمن کو لے کر کراچی کن آرزوؤں اور تمناؤں کو لے کر پہونچے تھے۔ لیکن وہاں ان کا آشنا آرزو کس طرح تباہ ہوا؟ خود ان کی ذات کس طرح اپنوں سے بیگانہ وشی اور بے مہری احباب کا شکار ہوئی۔ انجمن کے کام کس طرح خاک بسر اور پراگندہ و منتشر ہوئے اور اردو کی ترقی اور اس کی ترویج و اشاعت کے تمام منصوبوں کا انجام کس درجہ حسرت انگیز ہوا؟ یہ پوری روئداد مولوی صاحب کی تحریروں اور قومی آواز۔ کے فائلوں میں محفوظ ہے۔ انجمن نے ایک اردو کالج قائم کیا تھا، اس نے اب تک کیا ترقی کی؟ اور متعلقہ یونیورسٹیوں کی طرف سے حوصلہ افزائی کس حد تک ہوئی؟ باخبر اصحاب اس سے واقف ہیں۔

ادارہ کے قواعد ضوابط اور سالانہ مطبوعات کی فہرست
طلب فرمائیے